بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم

وَعَلٰی عَبدِہِ المَسِیحِ المَوعُود

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

المنار

علمٍ و عمل

TALIM - UL - ISLAM COLLEGE RABWAH

مدیر: مقصود الحق

نائب مدیر: مبارک احمد صدیقی

منیجر: سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

53, Melrose Road, London, SW18 1LX

فون: 020 8877 5510 فیکس: 020 8877 9987

ای میل: ticassociation@gmail.com

دسمبر 2012ء

جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 12

فرمان الٰہی

✿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝۲۷۰

(سورۃ البقرہ:270)

وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جو بھی حکمت دیا جائے تو یقیناً وہ خیر کثیر دیا گیا اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

✿ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کی اپنی کھوئی ہوئی چیز ہوتی ہے، اسے چاہئے کہ جہاں بھی اسے پائے، لے لے کیونکہ وہی اس کا بہتر حقدار ہے۔

(از ترمذی بحوالہ چالیس جواہر پارے صفحہ 115)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

✿ سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحرِ محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقہ ان کے نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔

(براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 533)

علم و معرفت کا میدان

احمدی نے علم و معرفت کے میدان میں سب سے آگے بڑھنا ہے۔ ذرا سی محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ وعدہ ہے کہ آپ کے فرقہ کے لوگ علم و معرفت میں ترقی کریں گے، تو اس کا بھی فائدہ اُٹھانا چاہئے ہمارے ہر طالب علم کو، اور جب کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ انشاء اللہ۔

(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ از مشعل راہ جلد پنجم صفحہ 125)

ہماری ایسوسی ایشن کا فرض جو ہم سب نے مل کر ادا کرنا ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”میں سمجھتا ہوں ایسوسی ایشن اگر اپنے ممبران سے مستقل رابطہ رکھے اور ممبران خود بھی ایک جذبہ کے تحت اپنی اس درسگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو احمدی بچوں کے لئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم وَعَلٰی عَبدِہِ المَسِیحِ المَوعُود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

امام جماعت احمدیہ

مکرم عطاء المجیب راشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کی طرف سے پاکستان کے نادار و مستحق طلباء کی امداد کیلئے رواں سال کے دوران دوسری مرتبہ 2 لاکھ روپے کے برابر رقم پیش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر میں حصہ لینے والے تمام سابق طلبہ کے نفوس و اموال میں برکت عطا فرمائے، اخلاص و وفا میں ترقی دے اور اپنی رضا کی راہوں پر آگے بڑھاتا چلا جائے۔

والسلام

خلیفۃ المسیح الخامس

تعلیم الاسلام کالج سے
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا روح پرور خطاب

دوران جلسہ جب اولڈ بوائز کے اجلاس کا اعلان سنا تو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے شاید آنے والے کم ہوں گے۔ لیکن حاضری خلاف توقع تھی اور نہایت حوصلہ افزا اور خوش کن تھی۔ احباب نے اپنے مشاغل میں سے ترجیحاً وقت نکال کر شرکت فرمائی جو ان کی اپنی عظیم اور پیاری دانشگاہ سے محبت، وابستگی، دلچسپی، گرمجوشی اور عقیدت و احسان مندی کا مظہر تھی۔ اتنے دوست تشریف لائے کہ پرکشائش جگہ بزبان حال وسعِ مکانک کی بشارت کی طرف توجہ دلا رہی تھی۔ آپ نے یہ موقع بہم فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج کے فارغ التحصیل طلبہ یکجا ہوئے۔ باہم ملے۔ چہرہ شناسائیاں ہوئیں۔ نئی واقفیتیں ہوئیں۔ تعارف کا حلقہ وسیع ہوا۔ پرانی دوستیاں تازہ ہوئیں۔ اس عظیم الشان تعلیمی ادارہ کے پرورش یافتہ تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ کیسی کیسی بلندیوں اور اہم مقامات پر فائز ہیں اور دنیا بھر میں پھیلے یہ نافع الناس وجود کیسی کیسی خوش نصیبیوں سے ہمکنار ہیں۔ دیکھ اور معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی۔ کامرانی و شادمانی اور ترقی و بامرادی کے آثار ان کی جبینوں پر دیکھ کر فرحت و طمانیت ہوئی۔ ہر چہرہ تعلیم الاسلام کالج کی عظمت و شان اور اس کی اعلیٰ روایات کا امین نظر آیا۔ دل خدا کی حمد سے اُمڈ آیا۔

آپ کی یہ کاوش مبارکبادی کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو احسن جزا دے اور خدا کرے کہ ایسے رابطوں اور اجتماعات کا سلسلہ جاری و ساری رہے اور وہ مقاصد جن کو پیش نظر رکھ کر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا احیائے نو فرمایا ہے، وہ پورے ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے معاً بعد تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ اور طلبہ کو خطاب فرمایا۔ یہ تاریخی خطاب ارسال ہے۔ یہ اولڈ بوائز کیلئے یقیناً بڑی دلچسپی کا سامان ہوگا۔

(ملک خالد مسعود۔ ربوہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جامعہ احمدیہ کے اساتذہ اور طلبہ کو بیش قیمت نصائح کرنے کے بعد

۲۵ر نومبر ۱۹۶۵ء کو تعلیم الاسلام کالج میں بھی تشریف لے گئے اور اپنے روح پرور خطاب سے نوازا۔ اس روز حضورؒ ازراہ شفقت اساتذہ اور طلباء کی درخواست پر ٹھیک 11:30 بجے کالج میں تشریف لائے۔ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ حضور انورؒ کالج میں تشریف لائے تھے۔ اس کالج میں کہ جس کی ایک ایک اینٹ حضورؒ کی نگرانی میں رکھی گئی تھی۔ اُس کالج میں کہ جس کی تعمیر کے وقت گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ سے بے نیاز اور جاڑوں کی سرد یخ بستہ ہواؤں سے بے پروا ہو کر حضورؒ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کی نگرانی خود فرمایا کرتے تھے۔ اُس وقت حضورؒ کی تشریف آوری سے کالج کی فضا پر عجیب سرور و کیف کا عالم طاری تھا۔

ہال کے سامنے اساتذہ اور طلباء کے بعض نمائندوں نے حضورؒ کا استقبال کیا اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا اس کے بعد حضورؒ کالج ہال میں تشریف لائے جہاں طلباء اپنے محبوب آقا کیلئے چشم براہ تھے۔ حضورؒ کے کرسی صدارت پر تشریف فرما ہونے کے بعد تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ جس کے بعد مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے کالج کے اساتذہ اور طلباء کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا۔ ازاں بعد حضورؒ نے ایک روح پرور تقریر فرمائی۔

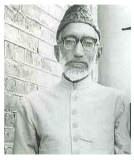

حضور انورؒ نے اس خطاب میں نہایت بلیغ انداز میں زمانہ طالب علمی سے لیکر تعلیم السلام کالج کی سربراہی تک کے واقعات اور تعلق باللہ کے ذاتی مشاہدات پر بصیرت افروز رنگ میں روشنی ڈالی۔

چنانچہ فرمایا:

''میں اس درس گاہ سے قبل مختلف دوروں سے گزرا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں پہلے میں نے

قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی اور پھر دنیوی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ کالج میں پڑھا۔ پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔ جب میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد کے لگا دیا۔ اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب ہی کیفیت محسوس کی۔ کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے۔ وہی علوم مجھے پڑھانے پر مقرر کر دیا گیا اور میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھا سکوں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حسن کا عجیب تجربہ ہوا۔ وہ یہ کہ مولوی فاضل میں ایک پرانا فلسفہ پڑھایا جاتا رہا ہے (شاید اب بھی پڑھایا جاتا ہے) آج سے ہزاروں سال پہلے اس دنیا کے متعلق انسانی دماغ جس طرح سوچتا رہا ہے وہی فکر و تدبر (بالفاظ دیگر فلسفہ) جن کتابوں میں درج کیا گیا ہے وہی مولوی فاضل کے کورس میں شامل تھیں۔ اب دنیا بدل چکی، حقیقتیں نئے رنگ میں ہمارے سامنے آگئیں اس لئے اس زمانہ کے انسانی دماغ کی سوچ کو ہمارے دماغ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ لیکن ان کو بطور حقائق کے پڑھایا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پرچہ کو جامعہ میں مشکل ترین پرچہ سمجھا جاتا تھا اور اکثر طلباء اس پرچہ میں فیل ہو جاتے تھے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں بھی میں بڑا پریشان ہوتا تھا اور کڑھتا تھا کہ ایک چیز جو مشکل نہیں اسے مشکل ترین بنا دیا گیا ہے، کیونکہ آج آپ کسی بچے کو یہ کہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں اور ان میں ستارے اس طرح ٹکے ہوئے ہیں جس طرح ایک دلہن کے دوپٹے پر سونے کے ستارے لگائے ہوتے ہیں۔ تو اگرچہ کتابی علوم پر اس بچے کو اتنا عبور نہ بھی ہو لیکن جس ماحول میں وہ پیدا ہوا اور اس نے پرورش پائی اس کی وجہ سے اس بچے کا دماغ بھی ان باتوں کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔

میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ذرا سی مشکل ہے اور اس کیلئے تھوڑے سے زاویہ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کیوں استاد اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں

پرنسپل بنا تو یہ پرچہ پڑھانے کا ذمہ میں نے خود لے لیا۔ ہمارے ایک بزرگ استاد تھے مولوی ارجمند خان صاحب۔ آپ میں سے بھی اکثر انہیں جانتے ہیں کیونکہ وہ یہاں بھی کام کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے ان کلاسز سے نوٹ تیار کئے تھے جنہیں ہمارے محترم بزرگ سید سرور شاہ صاحب یہ علم پڑھایا کرتے تھے۔ خان صاحب کا خیال یہ تھا کہ اگر کبھی موقعہ ملا تو وہ صحیح رنگ میں اس پرچہ کو پڑھایا کریں گے۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ایک نوجوان جوان مضامین سے دس سال تک آؤٹ آف ٹچ (غیر متعلق) رہا ہے۔ اب ہمارا پرنسپل لگا دیا گیا ہے اور پھر یہ جو

فلسفہ کا مشکل ترین پرچہ ہے اس نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے تو وہ کچھ گھبرائے..... اور ایک دفعہ مجھے ملے تو کہنے لگے میاں صاحب! آپ نے کیا ظلم کیا ہے یہ پرچہ آپ کیسے پڑھائیں گے۔ میں نے اس علم کے متعلق بڑی محنت سے نوٹ تیار کئے ہیں۔ آپ یہ پرچہ مجھے دے دیں۔ میں نے کہا نہیں میں نے نیت کر لی ہے کہ یہ پرچہ میں خود ہی پڑھاؤں گا باقی دیکھیں کہ اب اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب فلسفہ کا مضمون میں نے پڑھانا شروع کیا تو مجھے طلباء کو صرف یہ بات سمجھانے کیلئے کہ یہ مضمون آسان ترین مضمون ہے دو تین لیکچر دینے پڑے اور بتایا کہ یہ فلسفہ کا مضمون نہیں بلکہ تاریخ فلسفہ کا مضمون ہے جو آپ لوگ یہاں پڑھتے ہیں اور آپ کو اس امر کے معلوم کرنے کی کوشش کی ضرورت نہیں کہ آسمان ٹھوس ہے یا نہیں بلکہ صرف اتنا سمجھنا ہے کہ انسانی دماغ پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ جس میں وہ ان باتوں کو صحیح تسلیم کرتا تھا۔

لیکن بعد میں جب سائنس اور دیگر علوم نے ترقی کی اور ساتھ ہی انڈسٹری نے بھی ترقی کی اور وہ

دوربینیں جن تک پہلے کی تخیل کی رسائی نہ تھی، بننے لگیں اور انسان کو اس عالم کے متعلق نئے نئے انکشاف ہوئے تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ پرانے خیالات ان نئے علوم میں فٹ ان (Fit in) نہیں کرتے لیکن پہلے زمانہ میں لوگ اسی طرح سوچا کرتے تھے۔ پس اس رنگ میں میں نے انہیں وہ فلسفہ پڑھایا۔

اسی طرح منطق کے متعلق میں نے انہیں کہا کہ اصطلاحیں ہیں اور کوئی چیز نہیں۔ اگر منطق واقعی اس طریق فکر کا نام ہے جس کے مطابق ہمارا دماغ کام کرتا ہے اور اصطلاحوں میں طریق بیان کا نام ہے تو ایک بچہ بھی اسی طرح سے سوچتا ہے اگر ایک بچہ کے سامنے دو چیزیں رکھی جائیں خواہ وہ گنتی نہ جانتا ہو اور خواہ زبان سے چار نہ کہہ سکے لیکن اس کی سمجھ اور عقل میں یہی ہوگا کہ یہ چار چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انہیں چار کی بجائے آٹھ سمجھنے لگ جائے۔ تو دن رات صبح شام ہمارا دماغ ان طریقوں پر کام کرتا ہے۔ صرف ہم نے کچھ اصطلاحیں بنالی ہیں اور اس علم کو منطق کا نام دے دیا ہے۔ اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلبہ پاس ہوگئے اس وقت مجھے اپنے رب کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا اور میں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بہت حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے، اس کمی کو ہم اپنی دعاؤں سے پورا کرسکتے ہیں۔ یہ تجربہ ۱۹۴۱-۴۰ء سے اب تک مجھے رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا میں ہی تھا۔ اگر دوسرے اساتذہ سو سو لیکچر دیتے تو میں چالیس پچاس سے زیادہ لیکچر نہ دے سکتا تھا۔ شاید کچھ غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دُعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ بھی میں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامکس اور پولیٹکل سائنس پڑھاتے تھے) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں۔ ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے کچھ حصے اس کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلبہ کمزور ہیں۔ امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر میں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کرکے دے دوں تو خدا کے فضل سے یہ طلبہ بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے۔ چنانچہ میں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کرکے میں نے خود طالب علموں کے پاس پہنچایا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کرلو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں تین سوال ایسے تھے جو میرے اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چونکہ وہ مختصر اور کمپری ہینسیو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلبہ نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا۔

پس میرا اپنے سارے زمانہ میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے رب کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو خدا ہے۔ اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔ تو اُس زمانہ میں جب میں جامعہ میں تھا میں نے اپنا دل و دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی اور اس زمانہ میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفین زندگی تبلیغ اسلام کے میدان میں اُترے اس سے پہلے پانچ یا سات سال کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی اور اس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کررہے ہیں۔

پھر ۱۹۴۴ء میں جب میں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے ان کے علاج کیلئے دہلی گیا ہوا تھا اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحبؓ نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ پہلے جب میں عربی قریباً بھول چکا تھا مجھے

جامعہ میں لگا دیا گیا اب جب میرا ذہن کلّی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہوچکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کرکے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنادیا گیا۔ اس وقت صرف انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔ خیر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی نبھانے کی توفیق دے اور ہماری کوششوں میں برکت ڈالے۔ ابتداء بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھی ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو بہت سے میری طرح بالکل Raw (خام) تھے۔ میں اس وجہ سے raw تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا اور عربی کی طرف متوجہ ہوچکا تھا اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم اے پاس کرتے ہی وہاں آگئے تھے۔ انہیں کوئی تجربہ نہ تھا بلکہ صرف آپ کے افیشیئیٹنگ پرنسپل میاں عطاء الرحمن صاحب ہی ہیں جنہیں کچھ تجربہ تھا۔ باقی سب raw ہی تھے۔ ہم نے جو کوششیں کیں وہ تو کیں ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ انکا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔

ایک چھوٹی سے مثال سے اس کو واضح کردیتا ہوں وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ تک پرنسپل کے دفتر کے

سامنے چک بھی نہ تھی۔ دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ پھر ان چکوں کے حصول کیلئے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو پیشل سفارش کرنی پڑی تب جاکر اس دفتر کو چکیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کیلئے ضروری ہوتی ہے، میسر آئی۔

پھر مالی لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ میں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتہ کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچ آپڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں اور اس خرچ میں کوئی

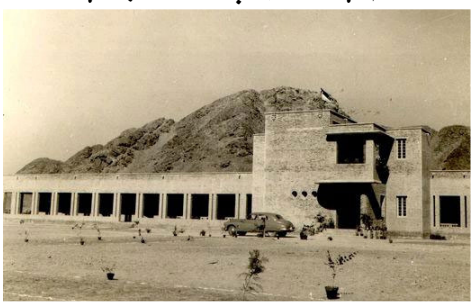

فضول خرچی تو نہیں، ناجائز حصہ تو نہیں۔ اگر جائز ضرورت ہوتی تو پھر یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ پھر جب سال گزرتا حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈجسٹ ہوجاتیں اور کبھی فکر یا تردد کرنا نہیں پڑتا اور نہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں، کبھی نہ بنتا۔

جب میں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور پیش کیا تو آپؓ مسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کیلئے میرے پاس پیسے نہیں۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کیلئے اور پچاس ہزار روپیہ ہوسٹل کیلئے دے سکتا ہوں اور یہ نہیں کرنے دوں گا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھر لو اور پھر میرے پاس آجاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہوگیا ہے۔ کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں۔ تکمیل کیلئے اور پیسے دو۔ پس انجینئر سے مشورہ کرکے اس نقشہ پر سُرخ پینسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصہ بن جائے گا۔ وہ میں نے تم سے بنا ہوا لے لینا ہے۔

میں نے اس وقت جرأت سے کام لیتے ہوئے حضورؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے۔ میں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا نقشہ منظور کرانے آیا ہوں۔ اس کے لئے حضور دعا فرماویں۔ میں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کرسکوں۔ حضورؓ نے فرمایا ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن وہ لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔

میں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں پھر حضورؓ نے منظوری دی کہ کام شروع کردو لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصہ پر ڈالی گئی تھیں نہ حضورؓ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہوگیا ہے اور رقم کا مطالبہ کررہے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔ جب ہم ایک جگہ پہنچے تو میں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کا کام کررہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام بھی شروع کرادو جب وہ حصہ بن جاتا تو پھر میں کہتا کہ اب اگلا حصہ بھی بنالو۔ میں شاہد ہوں اس بات کا اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتارہا ہوں کہ آج تک مجھے (جو خرچ کرنے والا تھا) پتہ نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن کبھی ہم نے اس کو سمیٹا نہیں۔ یہ کالج کی عمارت ہوسٹل اور دوسری جو بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اوپر ہیں۔ اور میرا رف اندازہ ہے کہ ان پر چھ اور سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔ بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہوسکتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم ان سے کوئی چالاکی کررہے ہیں، صحیح رقم بتانے کیلئے تیار نہیں۔

تو جہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ۴۴ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اسے رکھا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ دیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہم اپنی کوششوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے۔ جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلبہ، ان سب کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تا کہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے وہی جذبات میرے دل میں اس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور میں نے اپنے دل کو اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارہ کیلئے خدا کے حضور بطور وقف پیش کردیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی اور ان طلباء کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے میں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔

بے شک میں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی لیکن اس وقت سختی کی جب میں نے اسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دکھ کی وجہ سے راتوں جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچے نے مجھے اس سختی کیلئے مجبور کردیا حتیٰ کہ مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ کئی راتیں ہیں جو میں نے آپ کی خاطر جاگتے گزار دیں اور ہمیشہ ہی آپ کیلئے دُعائیں کرتا رہا اور پھر میں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کیونکہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دُعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقع پر بھی میرے دل میں ناکامی و نامرادی یا ناامیدی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی اُن دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے۔

میری ایک ہی خواہش ہے اور ایک ہی تڑپ ہے وہ یہ کہ آپ اپنے دلوں کی کھڑکیاں اپنے رب کی طرف کھولیں اور اسی کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور ضرورت اور احتجاج کے وقت اسی کی طرف رجوع کریں ہمارا خدا زندہ خدا ہے اور بڑی طاقتوں والا ہے۔ اگر آپ کے دل اس نہج پر نشوونما پانے لگیں تو پھر ساری دُنیا آپ کے قدموں پر آگرے گی۔ مگر پھر بھی آپ اس پر کوئی فخر نہ کریں گے۔ کیونکہ جو چیز آپ کو مل چکی ہوگی وہ ساری دنیا اور اس کے تمام مال و اسباب سے زیادہ قیمتی ہوگی"

(تاریخ احمدیت جلد 23 صفحہ 32 تا 39)

ہمارا خدا زندہ خدا بڑی قدرتوں والا خدا ہے

بعض بڑی عمر کے بوڑھے مجھے کہا کرتے تھے کہ تم تو بچے ہو اگر مرزا (غلام احمد) صاحب کے دعویٰ میں کوئی صداقت ہوتی تو تمہارے تایا حضرت میاں علم الدین صاحب جو اس زمانہ کے غوث اور قطب ہیں، ہر روز چالیس سیپارے قرآنِ مجید کے پڑھتے ہیں، صاحبِ مکاشفات اور آنحضرت ﷺ کے حضوری بھی ہیں وہ نہ مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے؟ اس قسم کے عذراتِ لنگ پر میں انہیں بہتیرا سمجھاتا مگر وہ یہی رٹ لگاتے رہے۔ آخر میں نے انہیں کہا کہ بتاؤ اگر (میرے تایا) حضرت میاں علم الدین صاحب میرے سیّد و مولیٰ حضرت مسیحِ قادیانی علیہ السلام کو نبی اور امام مہدی تسلیم کرلیں تو کیا تم لوگ حضور اقدس علیہ السلام کی بیعت سے انحراف تو نہیں کرو گے؟ تو ان لوگوں میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ حضرت میاں علم الدین صاحب مرزا صاحب پر ایمان لے آئیں اور ہمارا سارا علاقہ ان کے پیچھے ایمان نہ لائے۔

احمدیت کے متعلق ان کی یہ آمادگی دیکھ کر میں نے حضرت تایا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ حضرت (مرزا غلام احمد) مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق دعا کریں اور استخارہ بھی فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے میری درخواست پر استخارہ شروع کردیا اور ادھر میں نے بھی آپ کے لئے دعا شروع کردی۔ مجھے دعا کرتے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گاؤں سے شمال کی جانب بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چارپائی پر (میرے تایا) حضرت میاں علم الدین صاحب کی لاش پڑی ہوئی ہے اور لوگ اسکے گرداگرد حلقہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ جب ان لوگوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ ہمیشہ مرزا صاحب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ وہ امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اگر واقعی وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ کوئی نشان دکھائیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ میّت جو ہمارے سامنے پڑی ہے اسے آپ زندہ کر دیں۔ چنانچہ (دورانِ خواب) میں نے اسی وقت لاش کے سامنے کھڑے ہوکر نہایت جلال سے کہا: "قُم بِاِذنِ اللہ"

میرا یہ کہنا تھا کہ حضرت میاں صاحب زندہ ہوکر بیٹھ گئے اور مجھے دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو مجھے یقین ہوگیا کہ (میرے تایا) حضرت میاں علم الدین صاحب کو خدا تعالیٰ ضرور حضرت سیدنا مسیحِ موعودؑ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب کرے گا اور ایک نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک دن مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں کو تبلیغ کررہا تھا اور وہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق میرے تایا حضرت میاں صاحب ممدوح کی آڑ لے رہے تھے کہ اچانک آپ میری تلاش میں اُدھر آنکلے اور دریافت فرمایا کہ میاں غلام رسول یہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں حاضر ہوں ارشاد فرمائیے۔ فرمانے لگے مجھے خدا اور اُس کے رسول کی طرف سے اس بات کا نہایت صفائی کے ساتھ علم دیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے سچے مامور اور امام مہدی اور مسیح موعود ہیں۔ آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں ان پر ایمان لے آیا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میری بیعت کا خط حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ دیں۔

جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہاری کیا مرضی ہے؟ تو ان میں سے بعض بدبختوں نے کہا کہ شیطان نے بلعم باعور جیسے ولی کا ایمان چھین لیا تھا حضرت میاں علم الدین صاحب کس شمار میں ہیں۔ (حیاتِ قدسی، تالیف حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ صفحہ 35)

.....دسمبر آ رہا ہے

(ڈاکٹر عمران احمد خان-ربوہ)

'پرالی' سے لدے اونٹوں کے قافلے بھی تو اسی چاہت کے موسم کا سندیسہ لایا کرتے تھے۔یقین کی

یہ پہلی منزل طے ہوتی تو الٹی گنتی شروع ہوجاتی کہ روحانی بہار کے وہ ایام جن کی بنیاد خالصتاً تائیدِ حق سے رکھی گئی تھی سر پر آن پہنچے۔

یوں تو ایک جلسہ سالانہ گزرنے کے ساتھ ہی اگلے جلسہ کی تیاری کسی نہ کسی رنگ میں شروع ہوجاتی تھی۔ ہماری والدہ تو ہر ماہ اس نیت سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرنا شروع کر دیتیں تھیں کہ فقط ایک ماہ کا بجٹ جلسہ کی مہمان نوازی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔خاص طور پر چینی کا اسٹور کیا جانا جو اس زمانے میں بہت ناپید ہوتی تھی، مجھے اب بھی یاد ہے۔

جوں جوں یہ دن قریب آتے اہالیانِ ربوہ کی تیاریوں میں مزید تیزی آجاتی اور ہر روز کوئی نہ کوئی نئی سرگرمی اور نئی تیاری دیکھنے کو ملتی۔لوگ اپنی اپنی توفیق اور ضرورت کے مطابق گھروں کی مرمت اور رنگ وروغن وغیرہ کرواتے،محلہ کی انتظامیہ گھر گھر سروے کرتی کہ آپ کتنی جگہ جماعتی انتظام کے تحت مہمانوں کو ٹھہرانے کے لئے دے سکتے ہیں؟ جلسہ کی ڈیوٹیوں کے لئے ذیلی تنظیموں کی طرف سے فرداً فرداً رابطہ کیا جاتا اور دریافت کیا جاتا کہ گزشتہ سال آپ نے کہاں ڈیوٹی دی تھی اور اس سال کہاں ڈیوٹی دیں گے؟ لنگر خانوں کی مرمت ،تندوروں کی تنصیب اور مشینوں کی سروس وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔عزیز رشتہ داروں کی طرف سے خط آنے لگتے جن میں اکثر و بیشتر تو جلسہ پر آنے کی خوشخبری ملا کرتی اور کبھی شاذ و نادر اس بات کا افسوس اور ملال کہ چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے شاید اس بار ہم نہ آسکیں ۔ہم عمر کزنوں کی طرف سے یہ پیغام آتا کہ 'پرالی' (جسے ہم اردو میں کسیر کہا کرتے تھے)ہمارے آنے سے پہلے دریوں اور چادروں کے نیچے نہ بچھا دینا! ابھی تو ہم نے آکر اس پر اچھل کود کرنی ہے۔محلے کی مسجدوں میں ڈیوٹی چارٹ آویزاں ہوجاتے جن میں اپنا نام لکھا ہوا دیکھ کر خوشی کا ٹھکانا نہ رہتا۔ہر جمعہ کو علی الصبح وقارِ عمل کے ذریعے جھاڑ جھنکاڑ اور راستوں کی صفائی کر کے شہر کو غریب دلہن کی طرح سجایا جاتا۔

22 دسمبر کو سہ پہر تین بجے دفتر جلسہ سالانہ میں کارکنان باقاعدہ طور پر اپنے اپنے شعبہ میں

ڈیوٹیوں پر رپورٹ کرتے ،جلسہ کے انتظامات کا معائنہ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح کا کارکنانِ جلسہ سے خطاب ہوتا۔جلسہ میں شمولیت کے لئے قافلہ ہائے شوق

اڈے چلے آتے ۔اڈے پر بسوں کا تانتا بندھا ہوتا جن کی چھتوں پر پڑے ہوئے بستر بند، ان کے اسپیشل ہونے کا پتہ دور سے دیتے۔آنے والے، تانگوں پر بیٹھ کر اپنی اپنی منزل کی راہ لیتے اور الفت و یگانگت کی بھیڑ میں گم ہوجاتے۔ نارووال سے آنے والی سپیشل ٹرین ہر اسٹیشن پر ٹھہر کر گویا بھول ہی

جاتی کہ اس کے مسافر بغیر ایک لمحے کی تاخیر کے بلکہ اگر پر ہوں تو اُڑ کر اپنی منزل پر پہنچنے کی بے تاب تمنا رکھتے ہیں۔اور یوں یہ سپیشل ٹرین پانچ گھنٹے کا سفر دس گھنٹے میں طے کرتی۔مگر ربوہ کو قریب پا کر جیسے ہی ان دیوانوں کے نعرہ ہائے

تکبیر کی فلک شگاف صدا دریا کے پلوں پر گونجتی تو ان کی ساری تکان چناب کے پانیوں میں بہہ کر کہیں دور کی راہ لیتی اور راہِ وفا کے یہ مسافر (شاید زیرِ آب ٹرین کے ذریعہ پیرس پہنچنے والوں سے بھی زیادہ تازہ دم جذبوں کے ساتھ) شہرِ روحانی میں خیمہ زن دھنک میں تحلیل ہوجاتے ۔ایسے روح پرور مناظر سے لطف اندوز ہونے کے دلدادہ ان کے استقبال کے لئے چنیوٹ تک چلے جاتے ۔باہمی اخوت کا یہ عالم ہوتا کہ جس کے گھر جتنے زیادہ مہمان ہوتے وہ اتنا ہی پھولا نہ سماتا اور ایسے خوش ہوتا جیسے انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی میں اس کا پہلا انعام نکل آیا ہو۔اگر کسی وجہ سے کسی گھر میں مہمان کم ہوتے تو کم مائیگی کا احساس ان کے چہروں سے عیاں ہوتا۔

جلسہ کا پروگرام شروع ہونے سے قبل مرد وزن سڑک کے دونوں طرف اپنی معین کردہ راہوں پر مرکزی مقام کی طرف رواں دواں ہوتے ،اپنے امام کے ارشادات سے مستفیض ہوتے ، پُر جوش

نعروں سے اپنے ایمانوں کو گرماتے اور تجدید عہدِ وفا کرتے ، علمائے سلسلہ کی تقاریر سنتے۔شبیر صاحب اور ثاقب زیروی صاحب کی نظمیں سماعتوں میں رس گھولتیں۔کنّو اور مونگ پھلی کی ضیافت بھی ساتھ ساتھ چلتی۔

علی الصبح 4 بجے ربوہ کی سبھی مساجد اور خصوصاً مرکزی مسجد مبارک میں نمازِ تہجد اور نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد بہشتی مقبرہ میں عزیزوں اور بزرگوں کی قبروں پر دعا سے لیکر شبینہ اجلاس اور حضرت خلیفۃ المسیح سے اجتماعی ملاقاتوں تک روحانی برکات سمیٹنے کا عمل مسلسل جاری وساری رہتا جو سرد موسم سے بے نیاز دیوانوں کے لہو کو گرمائے رکھتا۔

گرم چائے اور قہوے کی چسکیوں کے ساتھ رات کو جلسہ پر آنے والے اپنے عزیزوں کے ساتھ میل ملاقات اور خاندانی گپ شپ کی مجلسیں بھی خوب لگتیں۔مہمانوں کی اسی بھیڑ اور اسی غلغلہ میں گھر کے بزرگ مستقبل کے سنجیدہ فیصلوں کے لئے کسی کونے میں سر جوڑ کر بیٹھتے تو دھیرے دھیرے مچلنے والے بیقرار دل بھی کہیں آس پاس ہی دھڑک رہے ہوتے ۔رشتوں کے فیصلے حتمی شکل اختیار کر لیتے تو ربوہ کی مسجد مبارک بہت سے گھرانوں کے لئے نکاحوں کی خوشیوں کا گہوارہ بن جاتی۔

ایک طرف لنگر خانے کے باہر ہاتھ میں کپڑا اور بالٹی اٹھائے بل کھاتی خوش باش چہروں کی دوہری تہری لائنیں لگی ہوتیں تو دوسری طرف تنوروں کے پاس روٹی پھیلانے کی تھپک، روٹی لگانے کی دھمک، سلاخوں کی کھنک، نانبائیوں کا شور آلو گوشت کا شوربہ اور درویشوں کے نان جب خوشبو دیتے تو وہ سماں بندھتا کہ آج کے چائنیز ریستوران اور KFC چوکڑی بھول جائیں۔

ہمارا جلسہ دینی و دنیوی، روحانی و ایمانی، معاشرتی و تہذیبی حسن ورعنائی کا مرقع ہوتا تھا اور ہر کوئی اپنی عمر اور ظرف کے مطابق اس کی برکات وفیوض سے مستفیض ہوا

کرتا تھا۔ڈیوٹیاں دینے والے کارکنان ڈیوٹی بھی پوری دیتے مگر ڈیوٹی کے وقفوں میں ٹائم نکال کر مختلف پروگراموں میں بھی شامل ہوتے اور جن کو توفیق ملتی نیکی کے ان لمحات کو لیموں کی طرح خوب نچوڑتے ۔ان نوجوانوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو سردیوں کی یخ بستہ راتوں میں چہرے پر مفلر لپیٹے اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گھاس پھونس اور لکڑیوں سے جلائی ہوئی آگ سے گرمائش حاصل کرتے اور راستوں پر نظر رکھنے کی ڈیوٹی دیتے۔

میں نے تو بطور میزبان اپنے جذبات کی ایک جھلک دکھائی ہے مگر جلسہ کے آنے والے پر مسرت لمحات کو عملی شکل دینے والے کن مراحل سے گزرتے ہیں اس کا احاطہ کرنا میرے لئے

ممکن نہیں۔جو میزبان جلسہ کی ساعتوں کو لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں، ان ساعتوں کا سمٹنا بھی انہی کو دیکھنا ہوتا ہے۔29 دسمبر کو جب کم وبیش 80 فیصد مہمان واپس لوٹ جاتے ہیں تو جانے والوں کو ہم ایسی بے بسی سے دیکھتے ہیں جیسے بچہ ہاتھ سے چھوٹ جانے والے کیسی غبارے کو اور مالدار اپنی کٹی ہوئی جیب کو۔بازار میں دکانداریوں دکھائی دیتے جیسے گرمیوں میں ہیٹر اور صحراؤں میں رین کوٹ بیچنے والے۔

برسوں کے ساتھ سمٹ رہے ہیں۔آج میں ان بستی والوں کے ہمراہ، چاہت کے انہی دنوں کی راہ تک رہا ہوں جن کی تھکن آرام جاں اور جن کے رتجگے تسکین جاں کا باعث

ہوا کرتے ہیں۔وہ دن آتے ہیں اور ضرور آتے ہیں جب ظلم کی برچھی ٹوٹ گرے گی ،نفرتوں کے الاؤ پر محبتوں کی پھوار غالب آئے گی اور آفات و مصائب کی تاریک رات سے آشتی کی سحر پھوٹے گی۔بچھڑے ہوئے پھر ملیں گے اور ہمارے بچوں کے جذبات کی خزاں رنگ کونپلوں پر بہار اترے گی۔ایسا کیوں نہ ہو کہ اہل وفا کی قربانیوں کی جوئے خوں اسے سینچ رہی ہے۔

صرف امید نہیں بلکہ یقیں ہے پختہ — پھر وہ جلسہ، وہی جلسہ، وہی جلسہ ہوگا
پھر مری کشتِ تمنّا میں بہار آئے گی — پھر سے ربوہ وہی ربوہ وہی ربوہ ہوگا
پھر وہی رنگ جمیں گے وہی محفل ہوگی — ہم نہ ہوں گے تو وہاں کوئی تو ہم سا ہوگا

ذرّوں کی کہانی - آصف کی زبانی

(آصف علی پرویز) (قسط سوم)

''باجے بو'' میں بجلی نہیں تھی۔ وہاں کی تاریک راتیں مجھے اب بھی یاد ہیں۔ میری علم کی پیاس تھی کہ بڑھتی ہی رہی اور میں تاریک براعظم کی اندھیری راتوں میں ''ربِّ زدنی علما'' کے چراغ جیسے بھی بن پڑا جلاتا رہا۔ بھلا ہو اُس لالٹین کا جس نے ان تاریک راتوں میں میرا ساتھ دیا۔

آپ حیران ہوں گے کہ ذرّوں کی کہانی بیان کرتے ہوئے اور روشنی بکھیرنے والے الیکٹران کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں اندھیرا کہاں سے آن ٹپکا؟ بات دراصل یوں ہے کہ 1974 کے واقعات کے بعد میں نے تعلیم الاسلام کالج کی لیکچررشپ کو خیرباد کہہ دیا تھا اور تحریک جدید کی طرف سے میری تقرری سیرالیون کے ایک چھوٹے سے قصبے ''باجے بو'' میں بطور وائس پرنسپل ہوئی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ سیرالیون کے اس چھوٹے سے قصبے میں قیام کے دوران ہم انتظار کیا کرتے تھے کہ کب چاندنی راتیں آئیں اور ہم رات کے وقت باہر نکلنے کے قابل ہو سکیں کیونکہ وہاں بجلی نہیں تھی اور بجلی کی عدم موجودگی میں رات کو باہر نکلنا محال تھا۔ بجلی کے بغیر تو سارا نظامِ زندگی ہی چوپٹ ہو جاتا ہے۔ آج کی جدید دنیا کی کم و بیش ہر سہولت ہی بجلی کی مرہونِ منّت ہے۔ گویا بجلی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

بجلی کیا ہے؟ کیسے پیدا ہوتی ہے؟ آخر بجلی کا بٹن دبانے سے کمرہ روشن کیوں ہو جاتا ہے؟ تو جان لیجئے کہ بجلی صرف اور صرف الیکٹران کی حرکت کا نام ہے۔ جونہی ہم بٹن دباتے ہیں تو (تانبے سے بنی ہوئی) بجلی کی تار میں الیکٹران حرکت کرنے اور ایک ایٹم سے دوسرے ایٹم میں منتقل ہونے لگتے ہیں۔ اور بجلی کا بٹن بند کرنے سے الیکٹران کی حرکت بھی رک جاتی ہے۔ آپ نے یقیناً سن رکھا ہوگا کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ کسی اور حرکت میں برکت ہو نہ ہو کم از کم بجلی میں برکت الیکٹران کی حرکت ہی سے پڑتی دکھائی دیتی ہے۔

بجلی کی دریافت کا سہرا Michael Faraday کے سر ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں یہ تجربہ کیا کہ اگر مقناطیس کو تاروں کے چھلّے کے اندر گھمایا جائے تو ان تاروں میں بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ بجلی کا بلب تو ایڈیسن نے کہیں بعد میں جا کر 1882 میں ایجاد کیا تھا اور دنیا کا پہلا بجلی گھر بھی ایڈیسن ہی نے نیویارک میں قائم کیا تھا۔

بجلی چاہے پانی کی طاقت، ہوا کی طاقت یا ایٹم کی طاقت سے پیدا کی جائے اس کا طریق ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جب کسی بھی طاقت کے ذریعے ٹربائن کو گھمایا جائے تو اس کے ساتھ لگا ہوا بڑا مقناطیس بھی گھومنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کے گرد لگائے گئے تاروں کے گچھے میں بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ یہ نظام حیرت انگیز ہے کہ گھومتا ہوا مقناطیس دھات کی تار کے اندر پائے جانے والے الیکٹرانز میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور الیکٹرانز کی اسی حرکت کا نام بجلی ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔

قرآن کریم میں بجلی کے لئے ''صاعقہ'' اور ''برق'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان سے بالعموم آسمانی بجلی مراد ہوتی ہے۔ آسمانی بجلی کا تخلیقی نظام زمینی بجلی کے نظام سے قدرے مختلف ہے۔ اور وہ یوں کہ دریاؤں اور سمندروں سے اٹھنے والے آبی بخارات آسمان کی طرف بلند ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جب دباؤ (Pressure) کی کمی بیشی کی وجہ سے تیز ہوائیں چلتی ہیں تو ان کی رگڑ کے نتیجے میں الیکٹرانز بادل کے اندر موجود پانی کے بخارات سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور جن بادلوں میں الیکٹرانز کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، ان پر بجلی کا منفی چارج اور جن بادلوں میں الیکٹرانز کی کمی ہوتی ہے، ان پر بجلی کا مثبت چارج ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بجلی کے مثبت چارج اور منفی چارج میں فطری طور پر ایک باہمی کشش پائی جاتی ہے۔ اسی کشش کے نتیجے میں مثبت اور منفی چارج والے بادل آپس میں بڑے زور سے ٹکرا جاتے ہیں۔ منفی چارج والے بادلوں کے الیکٹرانز میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ بادلوں کے درمیان موجود ہوا کے ایٹموں کو پھاڑتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ منفی اور مثبت بادلوں کے ٹکراؤ کے عمل میں بادلوں کے درمیان موجود ہوا کے ایٹموں کے پھٹنے سے مزید بے شمار الیکٹرانز پیدا ہو جاتے ہیں جن کے نتیجے میں آسمانی بجلی پیدا ہوتی ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تیز روشنی (thunder) کی شکل میں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز ہوتی ہے اس لئے آسمانی بجلی کی چمک پہلے ظاہر ہوتی ہے اور بادلوں کی گرج بعد میں سنائی دیتی ہے۔

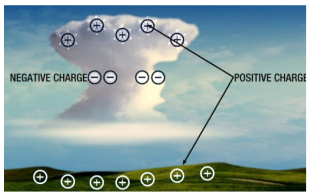

بادلوں کے اس ٹکراؤ میں دراصل اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ یہ نظام کارفرما ہے کہ بادلوں میں موجود آبی بخارات جو اپنے ہلکے پن کی وجہ سے از خود بارش بن کر زمین پر گرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ بادلوں کے آپس میں ٹکرانے کے نتیجے میں باہم یکجا ہو کر اتنے وزنی ہو جاتے ہیں کہ زمین کی کشش ثقل انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور اسی عمل کا نام بارش کا برسنا ہے۔

روشنی کا نظام

قرآن کریم میں کم و بیش 50 کے قریب ایسی آیات ہیں جن میں ''نور'' اور ''ضیاء'' کے الفاظ میں روشنی کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ ان الفاظ سے روحانی اور باطنی روشنی مراد ہوتی ہے اور بعض جگہ مادی عناصر سے پھوٹنے والی ظاہری روشنی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النور کی آیت 36 میں فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے کے ایک شمع دان میں ہو۔ وہ شیشہ ایسا ہو گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ وہ (چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔ اس کا تیل ایسا ہے کہ قریب ہے وہ از خود بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اسے آگ کا شعلہ نہ بھی چھوا ہو۔ یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے''

قبل اس کے کہ اس آیت کی روشنی میں ایٹم کے نظام کی وضاحت کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ بتا دوں کہ سائنسدان روشنی کی پیدائش کی کیا تفصیل بیان کرتے ہیں۔ (جاری)

اے روشنی

اے روشنی ، اے روشنی!
تُو کس کے چہرے کی دمک
تُو کس کے چہرے کی چمک
خود میں سما کے لائی ہے
پر تُو کہاں سے آئی ہے؟
کس کا سندیسہ لائی ہے؟
جس بھی نگر سے آئی ہے
جس کا سندیسہ لائی ہے
وہ آپ کیوں آیا نہیں؟
اور اپنا چہرہ کس لئے
خود سامنے لایا نہیں؟
اے روشنی، اے روشنی!
گو یہ مجھے ہے آگہی
گو جانتا ہے دل سبھی
لیکن برائے دل لگی
جا کے کہہ دینا اسے
جو بات ہے تجھ سے کہی
اے روشنی، اے روشنی!

(مقصود الحق)

جستہ جستہ

عمل کرنے کیلئے نہیں صرف پڑھنے کیلئے

اُس نے اپنی پھولی ہوئی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''میرے عزیز! میری صحت کا راز صرف ایک چیز میں مضمر ہے اور وہ ہے ورزش اور صرف ورزش۔'' یہ کلمات ادا کرتے ہوئے اس کا سانس پھول گیا۔

ورزش؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ہاں میرے عزیز ورزش! اس نے پورے سکون سے جواب دیا۔

مگر کون سی ورزش؟ تم صبح دوڑ لگاتے ہو؟ ارے نہیں بھئی! یہ تو شرفاء کا وطیرہ نہیں، لوگ سمجھیں گے کہ اچکّا ہے اور کسی کی چیز اٹھا کر بھاگ رہا ہے۔

ڈنڈ بیٹھکیں؟

لاحول ولاقوۃ

یوگا؟

استغفراللہ

ویٹ لفٹنگ؟

نعوذ باللہ

تو روزانہ چہل قدمی کرتے ہوگے؟

ارے میں لعنت بھیجتا ہوں اس چہل قدمی پر۔ خدا نے سواری کس لیے دی ہے؟

تو پھر تم بھاڑ جھونکتے ہوگے، میں نے چڑ کر کہا!

ہاہاہا! یہ سن کر اس کی توند میں بھونچال سا آ گیا۔ اب تم راہ پر آئے ہو۔ میری پہلی ورزش یہی تو ہے۔ یعنی تم نے ایک مزے کی بات کہی تو ہنسنے سے پیٹ کی ورزش ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ غالباً یہ اس کی طرف سے جبڑوں، پھیپھڑوں اور پیٹ کی ورزش تھی اور کورس میں تھی۔ تب یہ دوست مجھ پر آہستہ آہستہ کھلا اور اس نے اس انکشاف سے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ وہ تو ابنائے زمانہ کے برعکس اپنے جسم کے ایک ایک عضو کی علیحدہ علیحدہ ورزش کرتا ہے۔

میاں تم لوگ کیا جانو ورزش کیا ہوتی ہے؟ اس نے اپنا بایاں ہاتھ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا!

یہ ہاتھ دیکھ رہے ہو؟

میں نے درخت کے تنے جیسے اس ہاتھ کو ہاتھ لگائے بغیر ایک نظر دیکھا اور کہا ہاں دیکھ رہا ہوں۔

اور انگلیاں بھی؟ ہاں۔ تو عزیزم انگلیوں کی ورزش علیحدہ ہے اور ہاتھ کی علیحدہ۔ تم لوگ سگرٹ پیتے ہو اور آدھا سگرٹ جل جاتا ہے مگر تم گل نہیں جھاڑتے۔ مگر اس کا تعلق اس سارے مسئلے سے کیا ہے؟ اسی سے تو ہے، اس نے مسکرانے کی کوشش میں جبڑوں کی ورزش کرتے ہوئے کہا، میں ہر کش کے بعد گل جھاڑتا ہوں جس کے لئے درمیان والی دو انگلیوں اور انگوٹھے کو جھٹکنا پڑتا ہے۔ یہ انگلیوں اور انگوٹھے کی ورزش ہے۔ تم لوگ تو بہت سست الوجود ہو۔ جبکہ میں یہ ورزش دن میں بیسیوں دفعہ کرتا ہوں۔

اور حضرت ہاتھ کی ورزش کس طرح فرماتے ہیں؟

یہ تو ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ ہے، حضرت نے فرمایا۔

بس یوں ہے کہ دفتر میں افسرانِ بالا کو آتے جاتے ہاتھ اُٹھا کر سلام کرتا ہوں۔ یہ ورزش کی ورزش بھی ہے اور اس سے بڑوں کے احترام کا فرض بھی پورا ہو جاتا ہے۔

بیٹھے بٹھائے پیٹ کی ورزش ہوگئی، انگلیوں اور انگوٹھے کی ہوگئی، ہاتھ کی ہوگئی مگر پاؤں کی ورزش کے لئے تو تمہیں بہرحال اپنی جگہ سے ہلنا جُلنا پڑتا ہوگا؟ کچھ چلنا پھرنا پڑتا ہوگا؟ ارے نہیں میاں! یہ روگ تو تمہیں لوگوں نے پالے ہوئے ہیں میرے پاس ایک موٹر سائیکل ہے، جسے سٹارٹ کرنے کے لئے دن میں ہر بار پندرہ بیس ککیں لگانی پڑتی ہیں بلکہ میں تو ورزش کو صحتِ انسانی کے لئے اس قدر ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلِ محلہ کو بھی اس طرف راغب کرنے میں لگا رہتا ہوں۔ چنانچہ اکثر جب ضرورت پڑتی ہے تو موٹر سائیکل کو دھکا انہیں سے لگواتا ہوں۔

پانچ فٹ قد اور ڈھائی من وزن والے اس دوست کی یہ باتیں میں نے سنیں تو جی چاہا کہ اس کے ہاتھ چوم لوں۔ اور یوں اس کی اس مشقت کو خراجِ تحسین ادا کروں جو خود کو سمارٹ رکھنے کے لئے وہ روا رکھتا ہے۔ مگر میں نے بوجوہ خود پر قابو پایا اور چلتے چلتے پوچھا کہ یا اخی اتنی بھرپور ورزش کے بعد تو ظاہر ہے تمہیں ڈائٹنگ وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہوگی جس کی وبا ان دنوں عام ہے؟

یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا۔ اس نے پہلو بدلتے ہوئے یا پہلو دار ورزش کرتے ہوئے کہا۔ مگر تم یہ سن کر حیران ہوگے کہ اس معاملے میں بہت احتیاط برتتا ہوں۔ میں ڈائٹنگ تو نہیں کرتا البتہ میں نے اپنی خوراک بہت معتدل رکھی ہوئی ہے۔ یعنی صبح صرف دو انڈے چائے کے ایک کپ اور تین پراٹھوں کے ساتھ کھاتا ہوں، دوپہر کو دو چار روٹیاں بازار سے منگوا لیتا ہوں اور گھر میں جو پکا ہو اس کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔ میرا رات کا کھانا بھی اسی طرح ہلکا پھلکا ہی ہے، یہی کوئی پاؤ بھر چاول چند چپاتیاں اور ایک آدھ ڈش مرغی کا شوربہ یا پھر رات کو سوتے وقت جگ میں جو تھوڑا بہت دودھ ہوتا ہے اس میں دو تین چھٹانک گھی کا تڑکا لگا کر پی لیتا ہوں۔ میں تو شاید اپنی خوراک اس سے بھی زیادہ رکھتا کیونکہ باقی اعضائے جسمانی کی طرح آخر دانتوں کی ورزش بھی تو ضروری ہے۔ اب ذرا جاتے جاتے میری جیب میں ہاتھ ڈال کر سگرٹ کی ڈبیا تو نکالنا۔ گزشتہ پورے دس منٹ سے میں انگلیوں کی ورزش سے غفلت برت رہا ہوں۔

(ورزش کے کچھ نادر طریقے از عطاء الحق قاسمی بشکریہ روزنامہ جنگ لندن 22/10/12)

مؤثر انداز نصیحت

ایک نوجوان عیسائی ماسٹر جیمز، بی اے کر کے آئے اور ہمیں جغرافیہ پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ ایک دن ایک طالب علم نے ان سے ایک دوسرے طالب علم کی شکایت کی کہ یہ سگریٹ پیتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک لڑکے کو لیبارٹری سے ململ کے کپڑے کا ٹکڑا لینے بھیجا۔ جب وہ لے آیا تو سگریٹ پینے والے لڑکے سے کہا کہ میرے سامنے سگریٹ پیو! وہ ڈرا اور سہما ہوا تھا مگر ماسٹر صاحب نے اسے تسلّی دی کہ تمہیں سزا نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اس نے سگریٹ کا پہلا کش لگایا تو ماسٹر صاحب نے کہا کہ سگریٹ کا دھواں اس ململ کے کپڑے پر چھوڑو۔ ایسا کرنے پر کپڑا بھورا اور تین چار کشوں سے سیاہ ہوگیا۔ ماسٹر صاحب نے وہ سیاہ کپڑا طلباء کو دکھایا کہ سگریٹ پینے والوں کا اندر یعنی معدہ، انتڑیاں اور دیگر اعضاء یوں سیاہ ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں اور سگریٹ نوش جوانی میں ہی کئی خطرناک بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس مظاہرے سے مجھے ہمیشہ کے لئے سگریٹ سے نفرت ہوگئی۔ (کتاب: گمنام و بے ہنر، از محمد سعید احمد صفحہ 10)

نشانِ عبرت

(وہ جس نے کہا تھا کہ احمدیت ایک کینسر ہے میں اور میری حکومت اس کو جڑ سے اکھاڑ کر رہے گی، اس کے بارے میں برطانیہ کے مشہور قلمکار منصور آفاق کے تازہ مضمون کا ایک حصہ)

''جنرل ضیاء کی ہلاکت کے وقت بڑے بڑے ماتمی جلسے ہوئے تھے۔ اس کی قبر پر پھول چڑھانے والے بھی بہت تھے۔ چھاتی پر ہاتھ رکھ کر یہ کہنے والے سیاستدانوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی کہ میں جنرل ضیاء کے مشن کو مکمل کرونگا۔ مگر ایک آدھ سال میں مطلع صاف ہوگیا۔ جنرل ضیاء بلکہ کوئی فوجی صدر ایسا نہیں ہے کہ اب جس کی قبر پر کوئی جاتا ہو۔ جس کے لئے کوئی یادگاری ٹکٹ جاری کیا گیا ہو۔ کس سیاسی جماعت کے منشور میں اس کا مشن شامل ہو۔ کسی دیوار پر اس کی تصویر موجود ہو۔ کسی کتب خانے میں اس کے ہاتھ سے لکھی گئی تحریر رکھی گئی ہو۔ کسی بڑے آدمی کے ڈرائینگ روم میں ان میں سے کسی کے ساتھ کھینچی ہوئی تصاویر آویزاں ہوں۔ بلکہ ان کا ساتھ دینے والے قوم سے معافیاں مانگتے پھرتے ہیں۔'' (روزنامہ جنگ لندن 30/10/2012)

سب نماز پر قائم ہو جائیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''میں تو بہت دعائیں کرتا ہوں کہ میری سب جماعت ان لوگوں میں ہو جائے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور نماز پر قائم رہتے ہیں اور رات کو اٹھ کر زمین پر گرتے ہیں اور روتے ہیں اور خدا کے فرائض کو ضائع نہیں کرتے اور بخیل اور ممسک اور غافل اور دنیا کے کیڑے نہیں ہیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ یہ میری دعائیں خدا تعالیٰ قبول کرے گا اور مجھے دکھائے گا کہ اپنے پیچھے میں ایسے لوگوں کو چھوڑتا ہوں۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 619)

مکتوب مبارک حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

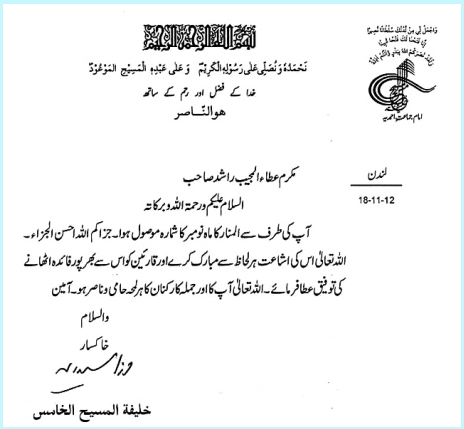

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالناصر

لندن
18-11-12

مکرم عطاء المجیب راشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے المنار کا ماہ نومبر کا شمارہ موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔
اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت ہر لحاظ سے مبارک کرے اور قارئین کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے
کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور جملہ کارکنان کا ہر لمحہ حامی و ناصر ہو۔ آمین

والسلام
خاکسار
مرزا مسرور احمد
خلیفۃ المسیح الخامس

آپ کے خطوط

☆ المنار میں شائع ہونے والے مواد کا انتخاب بہت اچھا ہے۔ نومبر کا المنار پڑھ کر بہت محظوظ ہوا۔ کبھی موقع ملا تو المنار کے بارے میں اپنی رائے اور تبصرہ تفصیل کے ساتھ مضمون کی صورت میں لکھوں گا۔ ان شاء اللہ۔ (سیّد ہدایت اللہ ہادی۔ کینیڈا)

☆ خوشیوں کے رنگ سمیٹے ہوئے اس مرتبہ کا المنار ملا۔ نعتیہ مشاعرے میں ہمیں بھی غائبانہ طور پر شامل کر لینے کا بہت شکریہ۔ مشاعرے کی تصاویر سے یوں لگا کہ گویا ہم خود بھی اس میں موجود ہیں۔ حفیظ الرحمن صاحب کی کالج کی یادیں ادبی ذوق لئے ہوئے ہیں۔ (یوں تو پیٹ کا درد اچھا نہیں ہوتا مگر ابن انشاء کے) ''پیٹ کے درد'' نے ضیافت طبع کا سامان خوب کیا۔ ذرّوں کی کہانی پہلے کی طرح سدا بہار ہے۔ اللہ کرے المنار یونہی جگمگاتا رہے۔ آمین۔ (کوثر کامران۔ بادمارین برگ۔ جرمنی)

دسمبر کا مہینہ

سالِ رواں کا آخری مہینہ ہے۔ اگر آپ نے ابھی تک ایسوسی ایشن کی سالانہ ممبر شپ فیس (جو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے £24 سالانہ مقرر فرمائی ہے) ادا نہیں کی تو اس مہینے کے اندر اندر ادا کر کے بروقت اپنے فرضِ منصبی سے سبکدوش ہوں۔

TIC OLD STUDENTS ASSOCIATION

کے نام کا چیک بنا کر المنار کے پہلے صفحے پر شائع شدہ پتے پر ارسال فرما دیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزا۔ (سیکریٹری مال)

تعلیم الاسلام کالج
اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران

قسط ہفتم

مکرم عبدالماجد طاہر صاحب
عرصہ تعلیم 71-1973ء

مکرم منیر احمد جاوید صاحب
عرصہ تعلیم 73-1971ء

مکرم عبدالغفار عابد صاحب
عرصہ تعلیم 66-1964ء

مکرم مرزا وقاص احمد صاحب
عرصہ تعلیم 96-1994ء

مکرم شمیم احمد بھٹی صاحب
عرصہ تعلیم 70-1968ء

مکرم ظہیر احمد رشید صاحب
عرصہ تعلیم 79-1978ء

مکرم ڈاکٹر حفیظ بھٹی صاحب
عرصہ تعلیم 70-1968ء

مکرم اسلم خالد صاحب
عرصہ تعلیم 74-1969ء

مکرم کلیم گلزار شاہ صاحب
عرصہ تعلیم 2001-1999ء

مکرم اعجاز احمد صاحب
عرصہ تعلیم 77-1975ء

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر ''المنار'' میں

باہمی تعارف کو وسعت دینے اور ریکارڈ کا حصہ بنانے کی غرض سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر المنار میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جا چکا ہے۔ ممبران سے گذارش ہے کہ اپنی تصویر اور تعلیم الاسلام کالج میں عرصہ تعلیم کی تفصیل بذریعہ ای میل یا بذریعہ ڈاک مجلس ادارت کو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔